رسائل و مسائل

اسلامی حدود و تعزیرات سے متعلق چند ضروری توضیحات

ملک غلام علی صاحب

سوال:- جنوری کا شمارہ ترجمان پڑھا، جناب قاضی بشیر احمد صاحب کا مضمون "ثبوتِ سرقہ کے ذرائع" نظر سے گذرا۔ اس مضمون پر دو ایک باتیں تفصیل طلب ہیں۔ دل کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔

۱- ترجمان کے صفحہ ۲۶ پر حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ہے کہ آنحضورؐ نے لونڈی سے فرمایا کہ "کہہ دے کہ نہیں"۔ یعنی لونڈی کو چوری کے جرم سے انکار کی تلقین فرمائی۔

۲- ترجمان کے صفحہ ۲۷ پر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سزا کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ "تم نے اسے جانے کیوں نہ دیا" یا "تم نے اُسے چھوڑ کیوں نہ دیا"۔

۳- صفحہ ۳۳ پر شہادت کی ایک ماہ کی میعاد کے بارے میں جو تشریح فرمائی گئی ہے۔ میرے خیال میں اس سے اور پردہ پوشی کے مشورے سے تو جرائم کو تقویت ملے گی اور شہادت میں تاخیر کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے، یہ نکتہ وضاحت طلب ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست میں حضور اکرمؐ کی موجودگی کی وجہ سے جرائم نہ ہونے کے برابر تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ جو جرائم سامنے آئے وہ صرف اصلاحِ اُمت کی غرض سے تھے۔ اب ان احادیث یا روایات کو لیجیے۔ چور یا ملزم سے بیان لینے سے قبل ہی اگر کہہ دیا جائے کہ کہہ دے تم نے جرم نہیں کیا۔ یا تو اس سے ملزم

کے ارتکاب جرم کو تقویت ملے گی۔ یا اگر سزا دی جا رہی ہو اور مجرم بھاگ جائے تو انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہوا۔ اسی طرح پردہ پوشی والا معاملہ ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ جب تک کوئی جرم سامنے نہ آئے تو اس کی پردہ پوشی ہو سکتی ہے اور وہ بھی اس حال میں کرنی چاہیے کہ اس سے معاشرے پر بُرا اثر نہ پڑتا ہو۔ یعنی خرابیاں تقویت نہ پکڑیں۔ ورنہ ایسے جرائم جن سے معاشرے میں بُرائیاں جنم لیتی ہیں ان کے بارے میں چشم پوشی مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ ورنہ قتل، چوری، ڈاکہ، زنا اور دوسرے گھناؤنے جرائم کے مجرم مزید جرائم کرنے پر اصرار کریں گے۔

جواب: آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مختلف جرائم، بالخصوص فوجداری جرائم کے لیے جو سزائیں حدود و قصاص کی شکل میں مقرر کی ہیں ان سے مقصود معاشرے کی تنظیم و تطہیر بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ و مطلوب ہے کہ مجرمین کا تزکیۂ نفس ہو اور وہ عذاب اُخروی سے بچ سکیں۔ چنانچہ بعض احادیث میں بدنی سزا دینے کے بعد مجرم سے توبہ کرانے کا ذکر ملتا ہے تاکہ گناہ سے اُس کا ظاہر و باطن پوری طرح پاک و صاف ہو جائے اور وہ قیامت کی سزا سے محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح جرائم کے معاملے میں اسلامی شریعت کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ جب تک جرم کا وقوع شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک سزا کو نافذ نہ کیا جائے۔

اب جہاں تک اثباتِ جرم کا تعلق ہے اس کی سب سے زیادہ یقینی اور قطعی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ مجرم خود بھی اعترافِ جرم کرے اور اس کے خلاف ارتکابِ جرم کی شہادت بھی موجود ہو۔ اس سے کم تر درجے میں اثباتِ جرم کی صورت یہ ہے کہ مجرم اقبالِ جرم نہ کرے مگر اس کے خلاف شہادت موجود ہو۔ مگر ایک نادر الوقوع، حیرت انگیز اور غیر معمولی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ملزم کے خلاف شہادت موجود نہ ہو مگر وہ خود آگے بڑھ کر رضاکارانہ طور پر اقرارِ جرم کرے۔ اس طرح کا اقراری مجرم درحقیقت مجسّم توبہ و ندامت ہوتا ہے جو اپنی دنیوی راحت و وجاہت کو اُخروی نجات پر قربان کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اپنی پیاری جان تک نثار کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے خطاکار جو پوری خوشدلی اور نفس کی آمادگی کے ساتھ دُنیا میں سزا پانے مگر اپنی آخرت کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، یہ اگرچہ اپنی تطہیر کے لیے دُنیوی عقوبت کے چنداں

محتاج نہیں ہوتے لیکن اسلام کا فوجداری قانون عدل و انصاف کے عمومی اور ہمہ گیر تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان پر بھی حدود شرعیہ کا نفاذ بہر حال کرتا ہے جس میں ایک حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر شہادت کے بغیر اقرار جرم پر حدود و قصاص کو ساقط کر دیا جائے تو اس طرح کا اقرار جرم سزا سے بچنے کا ایک ذریعہ و بہانہ بن کر اپنی حقیقی قدر و قیمت کھو دے گا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد پامال و معطل ہو کر رہ جائیں گے۔ تاہم شارع علیہ السلام نے اس نوع کے مجرمین کو عذر خواہی، اظہار برأت اور شک و شبہ سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش اور مہلت سب سے زیادہ دی ہے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر حضرت ماعزؓ سے متعلق روایت کردہ احادیث پر غور کیا جائے تو ان کا موقع و محل آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور سارے اشکال و سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔ آپ نے جن احادیث کو نقل کیا ہے ان کا تعلق اس طرح کے مجرمین سے نہیں ہے جو ارتکاب جرم کے بعد اپنے جرم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، پولیس کسی نہ کسی طرح اُن کا سراغ لگا کر انہیں گرفتار کر لیتی ہے اور تفتیش کا ہر ذریعہ استعمال میں لا کر ان سے اعترافِ جرم کرا لیتی ہے، ان کے خلاف شہادت فراہم کر کے انہیں عدالت کے سامنے پیش کرتی ہے اور ملزمین کا وکیل انہیں پہلا سبق یہی پڑھاتا ہے کہ تم عدالت کے سامنے صاف انکار کر دو گے۔ اس طرح کے ملزمین کو اگر عدالت بھی یہ سمجھائے کہ تم تو مجرم نہیں معلوم ہوتے، تم کہہ دو کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو اس طرح بلاشبہ جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہوگی اور جرم کو تقویت ملے گی۔ لیکن جو شخص خود سبقت کر کے اپنے آپ کو عدالت کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی شہادت بجز اس کے اپنے اقرار کے نہیں ہے۔ اس کا معاملہ دوسرے مجرمین سے بالکل مختلف ہے۔ یہ شخص جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اقبال جرم کر رہا ہے، اس کے معاملے میں یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اس سے اقرار کی بار بار توثیق اور اس کے حالات کی مختلف انداز میں تحقیق کرائی جائے۔ اگر وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے یا عملاً ایسا رویہ اختیار کرے جو رجوع و انکار کے مترادف ہو، تو اس کے رجوع کو قبول کر کے حد کے نفاذ کو روکا جائے۔

حضرت ماعزؓ بن مالک اسلمی جن پر زنا کی حد رجم نافذ ہوئی تھی ان کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہو کر اقرار کیا تھا، ان کے خلاف مزید

کسی قسم کی چشم دید یا واقعاتی شہادت موجود نہ تھی، ان سے متعلق سوالات اور جرح کے دوران میں ان کے خاندان اور قبیلے والوں نے بھی یہی کہا کہ یہ ہمارے اچھے اور بھلے لوگوں میں سے ہیں۔ لیکن وہ چونکہ اصرار کے ساتھ اپنے اقرار پر قائم رہے اس لیے بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کیے جانے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اس کے بعد جب انہیں رجم کیا جا رہا تھا تو کچھ دیر تک اپنے پاؤں پر کھڑے رہنے کے بعد وہ بھاگ نکلے اور انہوں نے چند باتیں بھی ایسی بیان کیں کہ جن سے ارتکاب جرم کے معاملے میں کچھ اشتباہ و التباس کا امکان پیدا ہو جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ سے ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہے۔

کنت فیمن رجم الرجل انا۔ لما خرجنا به فرجمناه فوجد مس الحجارة صرخ بنا۔ یا قوم ردونی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان قومی قتلونی وغرونی من نفسی واخبرونی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر قاتلی ......

(میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے حضرت ماعزؓ کو رجم کیا تھا۔ ہم انہیں لے کر نکلے اور ان پر پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ جب انہوں نے ان کی چوٹ محسوس کی تو چیخ کر ہم سے کہنے لگے "اے لوگو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹا کے لے جاؤ۔" میری قوم نے مجھے قتل کرایا اور مجھے اپنے معاملے میں دھوکہ دیا اور انہوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کریں گے)۔

اس طرح کی دوسری احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعزؓ نے بھاگنے اور سزا سے بچنے کی کوشش کی، نیز وہ یہ چاہتے تھے کہ انہیں حضور نبوی میں ایک مرتبہ پھر پیش ہونے اور اپنے بارے میں مزید وضاحت یا صفائی کا موقع دیا جائے۔ یہ ان کا ایک لحاظ سے اپنے سابق اقرار جرم سے قولی و عملی رجوع تھا یا کم از کم وہ اپنے بیان میں کوئی تبدیلی یا اضافہ کرنا چاہتے تھے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیلات سن کر فرمایا کہ تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا، یعنی اسے میرے پاس آکر دوبارہ بیان کا موقع کیوں نہ دیا؟ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضورؐ رجم کی سزا کو روک دیتے۔ آخری فیصلہ تو ان کی توضیح و تکمیلی گذارش سن کر ہی ہوتا اور نہ معلوم کیا ہوتا لیکن آنحضورؐ نے بہر حال انہیں صفائی و بیان کی آخری مہلت

دینا ضروری خیال فرمایا۔ حضرت جابرؓ کی جو حدیث اُوپر نقل ہوئی ہے، اُس کے آخر میں وہ خود فرماتے ہیں۔

قال فهلا ترکتموه وجئتمونی به لیستثبت رسول الله صلی الله علیه وسلم منه فاما ترک حد فلا۔

(آنحضورؐ کا یہ ارشاد کہ "اسے چھوڑ کیوں نہ دیا اور میرے پاس کیوں نہ لائے" یہ محض اس لیے تھا کہ آنحضورؐ اس سے دوبارہ تحقیق و تفتیش فرمائیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حد ترک کر دی جاتی)۔

ہمارے نزدیک اس واقعہ کی صحیح توجیہہ و تاویل یہی ہے۔ اس سے یہ بھی استنباط کیا جا سکتا ہے اور فقہاء و ائمہ کی اکثریت نے کیا ہے کہ اگر مجرم کے خلاف مزید کوئی شہادت نہ ہو اور وہ اقرار جرم کر کے اس سے پھر جائے تو اس پر سے حدود و قصاص کی بدنی سزا ساقط ہو جائے گی۔ کیوں کہ اقرار کے بعد اس سے رجوع بہر حال شک و شبہ پیدا کر دیتا ہے جس سے فوجداری سزاؤں کا نفاذ رُک جاتا ہے۔

دوسری روایت جس کے متعلق آپ نے پوچھا ہے وہ حضرت ابوالدرداءؓ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت لائی گئی جو چوری کے جرم میں ماخوذ تھی تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہدے کہ نہیں۔ یہ روایت بعض محدثین کے نزدیک شاید مرفوع ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند پہنچتی ہو، لیکن اکثر محققین و ناقدین حدیث کے نزدیک یہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ ہی تک موقوف ہے، اس سے اُوپر اس کی سند صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر التلخیص الجبیر، کتاب الحدود میں فرماتے ہیں:-

وقوله قل، لا لم یصححه الائمة، فیبقی اللفظ علی صحته قوله ما اخالك سرقت۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کی نسبت کو ائمہ حدیث نے صحیح تسلیم نہیں کیا کہ "کہہ دے، میں نے چوری نہیں کی"۔ باقی الفاظ جن کی صحت ثابت ہے وہ آنحضورؐ کا فقط یہ ارشاد ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ "تو نے چوری کی ہو گی")

سنن بیہقی کا حوالہ قاضی بشیر احمد صاحب نے سبل السلام سے دیا ہے جو حافظ ابن حجرؒ کی کتاب بلوغ المرام کی شرح ہے۔ اس وقت سبل السلام یا سنن بیہقی تو سامنے نہیں، لیکن حافظ ابن حجر نے تلخیص کے اسی مقام پر جن الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیہقی نے بھی اسے مرفوعاً روایت نہیں کیا۔ حافظ موصوف کے الفاظ ہیں۔ قد رواہ البیھقی موقوفاً علی ابی الدرداء۔ حافظ ابن حجرؒ نے خود بلوغ المرام، حد السرقہ میں صرف یہ حدیث درج کی ہے کہ ایک چور آنحضورؐ کی خدمت میں لایا گیا جس کے پاس سے مال مسروقہ نہیں پایا گیا تو آنحضورؐ نے فرمایا۔ ما اخالك سرقت (میرا خیال نہیں ہے کہ تو نے چوری کی ہوگی)۔ یہ ایک دوسری حدیث ہے جو مختلف صورت سے متعلق ہے اور اس کے الفاظ بھی وہ نہیں جو حضرت ابوالدرداء والی روایت میں منقول ہیں۔ بہرکیف ہمارے نزدیک کسی چور سے آنحضورؐ کا یہ کہنا ثابت نہیں کہ تو کہہ دے کہ میں نے چوری نہیں کی۔ چوری کے جس ملزم کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تو نے چوری کی ہوگی، اس سے چوری کا مال بھی برآمد نہیں ہوا تھا اور اس کے خلاف کسی شہادت کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ ہوسکتا ہے کہ محض مدعی کے کہنے پر اُسے پکڑا گیا ہو۔

اب آپ کا صرف ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ ترجمان القرآن (ماہ جنوری، صفحہ ۳۲) میں شہادت کی میعاد (LIMITATION) کی جو تشریح کی گئی ہے اور پردہ پوشی وغیرہ کی جو ہدایت کی گئی ہے اس سے بھی جرائم کو شہ ملے گی۔ اس پر اگر تفصیلی کلام کیا جائے تو بحث جو پہلے ہی خاصی لمبی ہو چکی ہے، اس کی طوالت میں مزید اضافہ ہوگا۔ سردست مختصراً اتنی بات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ صاحب مضمون نے اپنی تالیف، بالخصوص اس کے متن کی بنیاد حنفی فقہ پر رکھی ہے۔ دوسرے مسالک سے زیادہ تعرض نہیں کیا۔ اس لیے اس مضمون میں جو فقہی مسائل و جزئیات درج کیے گئے ہیں ضروری نہیں کہ جملہ ائمہ و فقہا کا ان پر اتفاق و اجماع ہو۔ ہمارے ملک کے اہل علم مل جل کر ان پر دوبارہ غور کرسکتے ہیں۔ مثلاً یہی جزئیہ لیجیے کہ چوری، شراب نوشی اور زنا کے مقدمات میں شہادت کے قابل سماعت و قبولیت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ گواہ عدالت میں صدور جرم سے ایک ماہ کے اندر شہادت دے، الا یہ کہ وہ کوئی معقول عذر تاخیر کے لیے پیش کرے۔ آج کل پولیس کی تفتیش، چالان اور عدالتی کارروائی کے لیے جو نظام رائج ہے اس میں شہادت کی میعاد کے لیے ایسی قید

حصولِ انصاف میں رکاوٹ کا باعث بن سکتی ہے۔ پھر اس مسئلے کا تعلق محض ضابطہ کار (PROCEDURE) سے ہے اور اس میں ردّ و بدل کی گنجائش موجود ہے۔ اس میں خود فقہائے حنفیہ کے اقوال مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ردالمحتار، کتاب الحدود، باب الشہادت علی الزنا میں بھی لکھا ہے۔

اعلم ان التقادم عند الامام مفوض الی رائ القاضی فی کل عصر۔

(معلوم ہونا چاہیے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شہادت کی میعاد سماعت اور اس کا زائد المیعاد ہونا ہر زمانے میں جج کی رائے پر موقوف ہے)۔

اسی طرح مضمون میں مجرم کی پردہ پوشی کو جس طرح اس کے خلاف شہادت پر افضل قرار دیا گیا ہے اور ایک ماہ کے بعد گواہی دینے والے گواہ کو جس طرح فاسق و ناقابل قبول قرار دیا گیا ہے یہ بات بھی محل نظر ہے اور اسے علی الاطلاق صحیح قرار دینا مشکل ہے۔ بلاشبہ حدیث میں مسلمان کی پردہ پوشی کی تلقین فرمائی گئی ہے مگر اس اصول کو ہر جرم اور ہر مجرم پر یکساں چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جب نصابِ شہادت کی تکمیل ممکن نہیں ہوتی، مثلاً حدِ زنا کے اجراء کے لیے چار گواہ ضروری ہیں مگر زنا ایک ہی گواہ کے سامنے سرزد ہوتا ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ زانی اقرار جرم کرے گا یا نہیں۔ ایسی صورت میں ایک گواہ کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ستر پوشی اور کف لسان سے کام لے ورنہ اشاعت فاحشہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہر جگہ ہر جرم پر پردہ ڈالنا مداہنت اور کتمان شہادت کے مترادف ہے جس کی مذمت کتاب و سنت کے دیگر نصوص میں وارد ہے۔ خود فقہائے حنفیہ نے میعاد شہادت کے لیے جو حد مقرر کی ہے، اس سے وہ جرم قذف کے خلاف شہادت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کیونکہ اس میں ان کے نزدیک حق العباد بھی شامل ہے۔ حالانکہ دوسرے فوجداری جرائم سرقہ، زنا کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ایک جہت حقوق العباد سے متعلق ہے۔ چنانچہ ہدایہ کے جس مقام سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے وہیں یہ تصریح موجود ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کی اس معاملے میں رائے مختلف ہے۔ وہ ان جرائم کو خالصتاً حقوق اللہ کی پامالی نہیں قرار دیتے بلکہ ایک پہلو سے انہیں حقوق العباد سے بھی متعلق سمجھتے ہیں اور اسی لیے وہ اس تقادم یعنی شہادت کے زائد از میعاد ہو جانے کے

قائل نہیں۔ اس بارے میں صرف امام شافعی ہی نہیں بلکہ دوسرے فقہاء بھی احناف سے اختلاف رکھتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۵، کتاب الحدود صفحہ ۳۰، میں عدم التقادم فی اداء الشہادۃ (شہادت میں میعاد کا مقرر نہ ہونا) کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

المالکیہ والشافعیہ والحنابلہ قالوا۔ ان الشہادۃ فی الزنا وفی حد القذف وشرب الخمر تسمع بعد مضی زمان طویل من الواقعہ۔ ذالک لان الحد بعد الشہادۃ اصبح حقاً ولم یثبت ما یبطلہ۔

(مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس کے قائل ہیں کہ زنا، قذف اور شرب خمر میں واقعہ جرم پر طویل زمانہ گذر جانے کے بعد بھی شہادت قابل سماعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کے بعد حد کا نفاذ ایک قانونی حق ہے اور ہمارے نزدیک کوئی ایسی دلیل ثابت نہیں جو اس حق کو باطل کر سکے)۔